اسلام اور مغرب

ترجمہ: جناب سید غلام محی الدین صاحب

آکسفورڈ سینٹر آف اسلامک اسٹڈیز کے ابتدائی اجلاس منعقدہ ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۳ء میں شہزادہ چارلس کا وہ خطبہ جس میں انھوں نے اسلام اور مغرب کے بارے میں بڑی معتدل باتیں پیش کی ہیں اور کھلے ذہن کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں مغرب کو اپنے موقف میں تبدیلی لانے کی دعوت دی ہے۔

خواتین وحضرات...... جب میں اس خطبہ کے نفس مضمون کے بارے میں غور کررہا تھا اس وقت مجھے یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ عربی کے اس محاورہ سے روشنی حاصل کروں کہ ''ہر سر میں کچھ نہ کچھ عقل ودانش موجود ہے'' مجھے اس کا اعتراف ہے کہ یہاں میری موجودگی کے لیے مجھ میں چنداں صلاحیت نہیں ہے کیوں کہ اس ہال میں بہت سے ایسے افراد جمع ہیں جو مجھ سے کہیں زیادہ صاحبِ علم اور بہتر مقرر ہیں۔ اگر میں ٹیکنیکل کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے بجائے اس عظیم درس گاہ کا سابق طالب علم ہوتا تو بھی میں یہاں اپنی موجودگی کو جائز سمجھتا حالانکہ آپ اس سے واقف ہوں گے کے کیمبرج میں شعبہ عربی کا قیام سترہویں صدی میں آکسفورڈ سے پورے چار سال قبل عمل میں آچکا تھا۔ حالانکہ میں آپ میں سے بہت لوگوں کے مقابلے میں اسلام کے بارے میں کم ہی علم رکھتا ہوں لیکن مجھے مسرت ہے کہ ان وجوہ کی بنا پر جن سے آپ بھی واقف ہیں مجھے آکسفورڈ سینٹر برائے اسلامک اسٹڈیز کا سرپرست منتخب کیا گیا ہے۔ یہ مرکز برطانیہ میں اسلامی دنیا کے متعلق بہتر معلومات مہیا کرکے اسلامی مطالعہ کے دوسرے مرکزوں مثلاً اورینٹل انسٹی ٹیوٹ اور مڈل ایسٹ سینٹر (مرکز شرق اوسط) کے شانہ بہ شانہ ایسا قابل قدر کارنامہ انجام دے سکتا ہے جس پر یہ یونی ورسٹی اور یہاں کے فضلاء فخر کرسکتے ہیں۔ اسلام اور مغرب جیسے پیچیدہ اور نزاعی موضوع پر گفتگو کرنے میں مجھے جو مشکلات درپیش ہیں ان کے پیش نظر آپ اس شان دار عمارت میں میری موجودگی پر معترض ہوسکتے ہیں۔

خواتین وحضرات! اس کی وجہ یہ ہے کہ میں صدقِ دل سے یہ یقین رکھتا ہوں کہ ان دونوں کے درمیان جو رشتے ہیں وہ آج ہمیشہ سے زیادہ اہمیت اختیار کرچکے ہیں لیکن اسلامی دنیا اور مغرب کے درمیان غلط فہمیاں بھی خطرناک حد تک موجود ہیں۔ آج کی اس دنیا میں جہاں ایک دوسرے پر انحصار بڑھتا جارہا ہے دونوں کو ساتھ مل کر رہنے اور کام کرنے کی ضرورت

آج سے زیادہ پہلے کبھی نہیں تھی۔ اسی کے ساتھ میں ان خطرات سے بھی بخوبی آگاہ ہوں جو اس راہ کے کسی نو وارد کو پیش آ سکتے ہیں۔ شاید آپ اس سے اتفاق کریں، اس پر تنقید کریں یا اس سے متعلق غلط فہمیاں پیدا ہوں لیکن ان تمام باتوں کے باوجود میں آپ کی توجہ ایک عربی محاورہ کی جانب مبذول کراؤں گا کہ ''جو کچھ زبان سے نکلتا ہے وہ کانوں تک پہنچتا ہے لیکن جو بات دل سے نکلتی ہے وہ دل پر اثر انداز ہوتی ہے''۔ یہ ایک مایوس کن حقیقت ہے کہ بیسویں صدی کے نصف آخر میں صنعت وحرفت اور مواصلات کی ترقی، عوام کے سفر کرنے، مختلف نسل کے لوگوں کے آپس میں ملنے جلنے اور دوسرے ملکوں کے بارے میں علم میں اضافہ ہونے کے باوجود اسلام اور مغرب کے درمیان غلط فہمیاں ابھی تک باقی ہیں بلکہ ان میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے جہاں تک مغرب کا تعلق ہے اس کی وجہ لاعلمی نہیں ہے ساری دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ایک ارب ہے اور دسیوں لاکھ مسلمان دولت مشترکہ کے ممالک میں رہتے ہیں۔

مغرب میں ان کی تعداد ایک کروڑ ہے اور برطانیہ میں دس لاکھ، اسلامی برادری یہاں سالہا سال سے بڑھتی جا رہی ہے اور آسائش کے ساتھ رہ رہی ہے برطانیہ میں تقریباً پانچ سو مساجد ہیں، اسلامی تہذیب کے بارے میں لوگوں کی دلچسپی تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے۔ آپ میں سے بہتوں کو یاد ہوگا اور وہ اس شاندار فیسٹول آف اسلام (اسلامی میلہ) میں شریک بھی ہوئے ہوں گے جس کا افتتاح ملکہ معظمہ نے ۱۹۸۶ء میں کیا تھا لیکن اس کے باوجود بے اعتمادی بلکہ خوف تک ابھی باقی ہے۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد ۱۹۹۰ء کی دہائی میں امن کے امکانات ہمیشہ سے زیادہ ہونا چاہیے تھے۔ ابھی چند ہفتے قبل مشرق اوسط میں وہ امید افزا واقعہ بھی پیش آیا ہے جس سے اس تنازعہ کے ختم ہونے کی امید پیدا ہو چلی ہے جس نے دنیا میں تفرقہ پیدا کر دیا تھا اور نفرت وتشدد کا سبب بنا ہوا تھا۔ لیکن ابھی خطرات کا خاتمہ نہیں ہوا ہے۔ اسلامی دنیا میں جنوبی عراق کے دلدلی علاقے کے ان باشندوں کو جو صدہا سال سے وہاں رہ رہے ہیں ہم منظم طور پر تباہ وبرباد کرنے کے منظر کو دیکھ رہے ہیں۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں پچھلے ایک سال سے مناسب موقع کی تلاش میں تھا کہ ان ناگفتہ بہ حالات کی جانب لوگوں کی توجہ مبذول کراؤں جو جنوبی عراق کے اس علاقے میں پیش آ رہے ہیں۔ بین الاقوامی برادری کو یہ بتایا گیا ہے کہ ان دلدلی علاقوں کو خشک کر کے انہیں قابل زراعت بنایا جا رہا ہے اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھانے تک آخر ہمیں کتنے گھناؤنے جھوٹ بتلائے جائیں گے۔ اس آخری لمحہ میں بھی اس مکمل بربادی کو روکا جا سکتا ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ کاش انسانیت کی بقا کے لیے اس مسئلے میں اسلام اور مغرب دونوں مل جل کر قدم اٹھائیں۔ میں اس کی جانب اس لیے توجہ دلا رہا ہوں کہ ابھی اس سے بچا جا سکتا ہے۔ دوسرے مقامات پر نفرت اور تشدد کا چکر بے قابو ہو چکا ہے اور اس کی جڑیں اتنی گہرائی تک پہنچ چکی ہیں کہ ہم گزشتہ یوگوسلاویہ، انگولا، سوڈان اور سوویت یونین کی اکثر سابق جمہوریتوں میں لوگوں کی مصیبتوں کو دکھی من سے بس دیکھ رہے ہیں۔ یوگوسلاویہ میں مسلمانوں کی اندوہناک مصیبتیں جن میں کسی قدر دوسرے لوگ بھی شریک ہیں، اس تعصب اور خوف کو باقی رکھنے میں معاون ثابت ہو رہی ہیں جو ان دنوں دنیا میں پایا جاتا ہے۔ متعصب قائدین کی اشتعال انگیز کارروائیوں کے علاوہ طاقت کے غلط استعمال اور نصب العین کے ٹکراؤ سے تصادم وجود میں آتا ہے، لیکن المیہ یہ ہے کہ یہ ایک

دوسرے سے عدم واقفیت اور غلط فہمیوں سے پیدا شدہ تلاطم خیز جذبات کا نتیجہ بھی ہوتا ہے اور ان سے بے اعتمادی اور خوف جنم لیتا ہے۔

خواتین وحضرات! ہم کو منقسم اور خطرات سے پر اس دور کا ساتھ صرف اس لیے نہیں دینا چاہیے کہ عوام اور حکومتیں، مذاہب اور فرقے اس سے سکڑتی ہوئی دنیا میں امن وامان کے ساتھ رہنے سے قاصر ہیں۔ اسلام اور مغرب کے درمیان غلط فہمیوں کا باقی رہنا کئی وجوہ سے کچھ عجیب سا ہے۔ ان دونوں کو منسلک کرنے والی باتیں ان سے کہیں زیادہ طاقتور ہیں جو ان میں نفاق پیدا کرتی تھیں۔ بہت سی ہماری اہم قدریں مشترک ہیں مثلاً علم اور انصاف کی قدر ومنزلت، غریبوں اور کمزوروں کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ، عائلی زندگی کی اہمیت، والدین کی عزت وغیرہ۔ قرآن کریم کا حکم ہے ''اپنے والدین کی عزت کرو''۔ ہماری تاریخ ایک دوسرے سے وابستہ رہی ہے۔ مسئلہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ ہماری تاریخ کا بڑا حصہ آویزش پر مبنی ہے۔ ان چودہ سو برسوں میں اکثر اوقات جنگ وجدل کا دور دورا رہا ہے جس سے ایک مستقل بے اعتمادی اور خوف کی روایت پروان چڑھی ہے۔ ہماری ان دونوں دنیاؤں نے اپنی تاریخ کو متضاد نظروں سے دیکھا ہے۔ مغرب میں ہم میں سے بہت سے لوگ اسلام کو لبنان کی خانہ جنگی شرق اوسط میں انتہا پسندوں کے ذریعے قتل اور بمباری یا پھر ''اسلامی بنیاد پرستی'' کے مترادف سمجھتے ہیں۔

خواتین وحضرات! یہ ایک بڑی غلطی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی برطانوی زندگی کی نوعیت کا اندازہ یہاں ہونے والے قتل اور زنا کے واقعات، بچوں کے ساتھ خراب برتاؤ اور شراب کی بہتات سے لگائے۔ انتہا پسندی ہر جگہ ہوتی ہے اور اس کا مقابلہ بھی کرنا چاہیے لیکن جب ہم اسے کسی سماج کا اندازہ لگانے کا معیار تصور کرلیں تو یہ ایک نامنصفانہ اور اس سماج کا حلیہ مسخ کرنے والی بات ہوگی۔ ایک دوسرا اور بہت واضح مغربی تعصب یہ ہے کہ مسلم سماج میں عورتوں کی جائیداد کی ملکیت، ورثہ پانے، طلاق واقع ہونے پر بعض تحفظات اور تجارت کرنے کے حقوق قرآن نے چودہ سو سال قبل تسلیم لیے تھے، کم سے کم برطانیہ میں تو ان میں سے بعض باتیں میری دادی کی نسل کے لیے انوکھی چیزیں تھیں۔

مغرب میں ہم کو بھی یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ ہمارے متعلق مسلمانوں کا کیا نقطہ نظر ہے اسے ہم سمجھنے کی کوشش کریں۔ اگر ہم لوگ یہ سمجھنے سے گریز کرتے رہے کہ اسلامی دنیا کے لوگ کس حد تک مغرب کی مادیت پرستی سے خوفزدہ ہیں اور اسے اپنی اسلامی تہذیب اور نظام حیات کے لیے مہلک بلکہ متقابل سمجھتے ہیں تو اس سے فائدہ تو کچھ بھی نہ ہوگا۔ ہم سے بعض لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری اشیا آسائش مثلاً ٹیلی ویژن، تیار غذائیں، بجلی کے آلات تو ہماری روزانہ کی ضروریات کے لیے مفید ہیں اور زندگی کو بہتر اور جدیدیت کا مطلب وہاں کے لوگوں کو اپنا جیسا بنانا سمجھتے ہیں تو یہ ایک خطرناک اور متکبرانہ مفروضہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری مادیت پرستی دین دار مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس لگانے والی ہوسکتی ہے۔ دین دار مسلمانوں سے میری مراد انتہا پسندوں سے نہیں ہے۔ ہمیں ان کے رد عمل کو سمجھنا چاہیے۔ اس سے ہمیں اس اسلامی بنیاد پرستی کو سمجھنے میں مدد ملے گی جسے ہم خطرہ تصور کرتے ہیں۔ ہم کو تشدد پسند اور سیاسی مفاد کے لیے اسلامی بنیاد پرستی کا نعرہ لگانے والے افراد

احیائے اسلام کے ان داعیوں کے درمیان فرق کو سمجھنا چاہیے جو اپنے مذہب پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنا چاہتے ہیں۔اس میں بہت ساری مذہبی، سماجی اور سیاسی باتوں کو بھی دخل ہے جو حقیقتاً احیائے اسلام کا جز ہیں۔ان میں مغرب سے مایوسی اور یہ خیال کہ اس کی صنعت وحرفت اور مادی وسائل انسانی زندگی کے لیے ناکافی ہیں بلکہ زندگی کے اصل معنی اسلامی عقائد میں پنہاں ہیں، بھی شامل ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ خیال بھی نہیں قائم کر لینا چاہیے کہ انتہاپسندی مسلمانوں کا طرہ امتیاز ہے، مسلم انتہاپسندی پر اسلام کی اجارہ داری ہے، جتنی عیسائیت یا کسی اور مذہب کی۔مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت اپنی زندگیوں میں متقی ہونے کے باوجود سیاست میں میانہ روی کی حامی ہے۔ان کا مذہب میانہ روی کا حامی ہے۔ پیغمبر اسلام (ﷺ) ہمیشہ انتہاپسندی کو ناپسند کرتے تھے۔جو لوگ ۱۹۸۰ء کی دہائی میں احیائے اسلام سے خوفزدہ ہو رہے تھے وہ شاید اب اسلام کی حقیقی روحانی طاقت کو سمجھنے لگے ہوں گے۔

خواتین وحضرات! اگر ایک طرف مغرب میں اسلام کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں ہیں تو دوسری طرف ہماری اپنی تہذیب وتمدن پر اسلامی دنیا کے احسانات سے لاعلمی بھی ہے۔ہماری یہ خامی تاریخ کے مطالعے پر مبنی ہے جو صرف ایک رخ ہی پیش کرتی ہے۔قرون وسطیٰ میں وسط ایشیا سے اٹلانٹک کے ساحل تک پھیلی ہوئی اسلامی دنیا میں صاحب علم وفضل لوگوں کا دور دورہ تھا لیکن اس کے باوجود ہم اسلام کو مغرب کا دشمن، ایک بے گانہ تہذیب، اجنبی معاشرہ اور پرایا نظام اعتقاد تصور کرتے ہوئے اسے نظر انداز کرنے اور اپنی تاریخ سے اس کے تعلق کا انکار کرنے کے عادی ہو گئے ہیں۔مثال کے طور پر اسپین میں اسلامی تہذیب وتمدن کے آٹھ سو سال دور کی اہمیت کو ہم کم کر کے دیکھنے لگے ہیں۔عہدِ تاریک میں مسلم اسپین کا قدیم علوم کی حفاظت وبقا اور یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں اس کی امداد کو لوگ اب سمجھنے لگے ہیں لیکن مسلم اسپین اس سے کہیں زیادہ تھا۔اس نے یونانی علوم کو مستقبل میں ابھرنے والی جدید مغربی دنیا کے لیے سنبھالے رکھا۔اس سے نے یونانی اور رومی تہذیب کی باقیات کو صرف باقی ہی نہیں رکھا بلکہ ان کی تفسیر وتشریح کر کے انہیں اس طرح وسعت بخشی کہ انسان کی عملی جدوجہد کے مختلف میدانوں میں یعنی سائنس، علوم فلکیہ، ریاضی، الجبرا (جو خود ہی عربی لفظ ہے) قانون، تاریخ، طب، دواسازی، علم البصر، زراعت، فن تعمیر، علم کلام اور موسیقی میں اس کا حصہ بہت اہم ہے۔ابن رشد اور ابن منظور نے مشرق میں اپنے ہم پایہ حکماء ابن سینا اور رازی کی طرح علم طب کی تحقیق ومطالعہ کی وہ راہیں متعین کیں جن سے یورپ صدہا سال تک فائدہ اٹھاتا رہا، اسلام نے تلاش علم کو پروان چڑھایا اور اس کی حفاظت کی۔

ایک حدیث کے الفاظ ہیں...... ''صاحب علم کی روشنائی شہید کے خون سے زیادہ مقدس ہے''۔

دسویں صدی عیسوی میں قرطبہ یورپ کا سب سے متمدن شہر تھا جس وقت شاہ الفریڈ فن طباخی میں ہولناک حماقتیں کر رہا تھا اس وقت اسپین میں مستقلاً رہنے والے کتب خانے موجود تھے۔حاکم قرطبہ کے کتب خانے میں چار لاکھ کتابیں موجود تھیں جن کی تعداد بقیہ تمام یورپ میں دستیاب کتابوں سے زائد تھی۔یہ اس وجہ سے ممکن ہو سکا تھا کیوں کہ اسلامی دنیا نے غیر اسلامی یورپ سے چار سو سال قبل فنِ کاغذ سازی چین سے حاصل کر لیا تھا۔ایسی بہت سی عادات وخصلتیں جن پر

یورپ کو ناز ہے اسے مسلم اسپین سے ہی ملی ہے۔ آدابِ سفارت، آزادانہ تجارت، ملکوں کے درمیان آزادانہ آمدورفت، علمی تحقیق کا طریقہ کار، آدابِ مجلس، فیشن، متبادل ادویات، اسپتال یہ تمام چیزیں ہم کو اسی عروس البلاد سے ملی ہیں۔ عہد وسطیٰ کا اسلام اپنے زمانہ میں تحمل اور بردباری کا مذہب تھا جس نے عیسائیوں اور یہودیوں کو ان کے آبائی مذاہب واعتقادات پر عمل کرنے کا حق عطا کر کے ایک مثال قائم کردی تھی لیکن بدقسمتی سے مغرب نے کئی صدیوں تک اس پر عمل نہیں کیا۔ خواتین وحضرات! تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اسلام اتنے لمبے عرصے سے یورپ کا حصہ رہا ہے، پہلے اسپین میں، پھر بلقان میں اور تہذیب وتمدن کو جس حد تک اس نے مالا مال کیا ہے اسے ہم صرف مغرب کی دین سمجھتے ہیں۔ اسلام ماضی اور حال دونوں میں انسانی سعی اور جدوجہد میں ہمارا شریک رہا ہے۔ اس نے جدید یورپ کو وجود میں لانے میں ہماری مدد کی ہے۔ یہ ہم سے الگ نہیں بلکہ ہمارا اپنا ورثہ ہے۔ مزید یہ کہ اسلام ہمیں آج بھی اس دنیا کو سمجھنے اور زندگی بسر کرنے کا راستہ دکھا سکتا ہے جس سے عیسائیت تہی دست ہو چکی ہے۔ قلب اسلام میں اس کائنات کا ایک منظم اور مکمل نظریۂ حیات محفوظ ہے۔ اسلام انسان اور فطرت، مذہب اور سائنس، نفس اور مادہ میں تفریق کو قبول نہیں کرتا اور اس نے عالم انسانیت اور ہمارے گرد کائنات کا ایک مابعد الطبیعاتی اور متحد ومکمل نظریہ محفوظ رکھا ہے۔ قلب عیسائیت میں بھی دنیا کا ایک مربوط نظریہ اور شعور موجود ہے کہ ہم کو اپنے اردگرد ماحول کی ذمہ داری اور تولیت بخشی گئی ہے۔

لیکن کوپرنیشس (Copernicus) اور ڈسکارٹس (Descartes) اور ان کے بعد سائنسی انقلاب کے ساتھ مغرب نے اس مکمل اور مربوط نظریہ کائنات کو بتدریج ترک کر دیا ہے۔ اب کائنات کا یہ جامع نظریہ ہمارے اعتقادات کا جز نہیں رہ گیا ہے۔ مجھے شدت سے اس کا احساس ہے کہ اگر ہم اس قدیم جامع فلسفہ کو پھر سے تلاش کر سکیں جو ہمارے اردگرد کی کائنات کے بارے میں ہمیں محیط نقطہ نظر مہیا کرتا ہے اور اس کے عمیق ترین معنی کو پھر سے سمجھ سکیں تو ہم مغرب میں زندگی کی اس بڑھتی ہوئی سطحیت سے چھٹکارا پاسکتے ہیں جس میں ہم اپنی دنیا کا مطالعہ اس لیے کر رہے ہیں کہ ہم اسے کس طرح استعمال کر کے اس پر غلبہ حاصل کر سکتے ہیں۔ ہماری اس کاوش کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم اپنی دنیا کے حسن اور ہم آہنگی کو عدم قرار اور افراتفری میں بدلتے جا رہے ہیں۔ میرے خیال میں یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ پچھلے چند برسوں میں مختلف طریقوں سے ہم نے جو خارجی دنیا تشکیل کی ہے وہ ہماری اپنی تقسیم اور بے ترتیب اندرونی کیفیت کی آئینہ دار ہے۔ مغربی تہذیب روزافزوں طور پر ہوسناک اور نفع خور ہوگئی ہے جس نے ہمیں اپنے ماحول کے تئیں ذمہ داری سے لاپرواہ بنا دیا ہے۔ ہمارے اردگرد اس دنیا کی مقدس نوعیت اس کی وحدت اور تولیت کا نازک احساس یقیناً بہت اہمیت کا حامل ہے۔ ہم اسے اسلام سے دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ کچھ لوگ مجھے یہ طعنہ دیں گے کہ میں ماضی میں رہنا چاہتا ہوں اور حقیقت حال اور جدیدیت سے سمجھوتا کرنے سے قاصر ہوں اس کے برعکس میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں اس کا مقصد اپنی اس دنیا کو وسیع اور عمیق اور فکر انگیز انداز میں سمجھنے کی کوشش ہے۔ چونکہ ہماری زندگی کی جہتیں مادی اور مابعد الطبیعاتی دونوں ہی ہیں لہٰذا ہمیں اس توازن کو جسے ہم ضائع کر چکے ہیں پھر سے حاصل کرنا ضروری ہوگیا ہے۔ میرے خیال میں اس کی غیر موجودگی ایک عرصے کے بعد ہمارے

لیے تباہ کن ثابت ہوگی۔ اگر اسلام اور دوسرے مذاہب کا طرز فکر اس تلاش میں ہماری مدد کرسکتا ہے تو پھر ہم ان کے ایمان و اعتقادات کو نظر انداز کر کے خود اپنی تباہی کو دعوت دیں گے۔

خواتین وحضرات! ہم آج ایک ایسی دنیا میں رہ رہے ہیں جسے فوری مواصلات ٹیلی ویژن اور تیزی سے اطلاعات کی فراہمی نے ایک ایسی وحدت میں تبدیل کر دیا ہے جو ہمارے اجداد کے وہم و خیال میں بھی نہ رہا ہوگا۔ اسلامی دنیا کی اعتقادیات اب ایک دوسرے پر منحصر ہے۔ سماجی مسائل اور زندگی اور ماحول کی ماہیت اب اسباب وعلل کے اعتبار سے عالمی درجہ اختیار کر چکی ہے۔ اب ہم میں سے کسی کے بس میں اکیلے ان کا حل تلاش کرنا ممکن نہیں رہ گیا ہے۔ اسلامی اور مغربی دنیا کے مسائل مشترک ہیں۔ ہم اپنے سماج میں تبدیلیوں کو کس طرح موزوں اور حسبِ منشاء بنائیں، ہم ان نوجوانوں کی مدد کس طرح کریں جو اپنے والدین اور سماج کی قدروں سے بے گانگی محسوس کر رہے ہیں، ہم ایڈس (Aids) منشیات اور خاندانوں کے بکھرنے جیسے مسائل کو کس طرح حل کریں؟ یہ صحیح ہے کہ مختلف معاشروں میں ان مسائل کی نوعیت اور شدت مختلف ہے۔ ہمارے اپنے شہروں کے مسائل قاہرہ اور دمشق جیسے نہیں ہیں لیکن انسانی تجزیہ میں بہت مماثلت ہے۔ منشیات کی بین الاقوامی تجارت اور ماحول کی آلودگی سے پیدا ہونے والے خطرات اس کی دو مثالیں ہیں۔ ہمیں اپنی زندگی اور عوام کو درپیش مسائل کو مل کر ہی حل کرنا ہے۔ اگر ہم صرف ایک دوسرے کی واقفیت حاصل کرلیں تو اسی سے حیرت انگیز نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔ مجھے بخوبی یاد ہے کہ جب چند برس قبل میں کچھ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ساتھ لندن میں واقع میرلیبون ہیلتھ سینٹر (Marylebone Health Center) دیکھنے گیا تھا جس کا میں سرپرست ہوں تو اس مشترک تجربہ کے نتیجہ میں جو عزم اور جوش وخروش نظر آیا وہ دلوں کو گرمانے کے لیے کافی تھا۔

خواتین وحضرات! ہمیں کسی نہ کسی طرح یہ سیکھنا ہے کہ ہم کس طرح ایک دوسرے سے بخوبی واقف ہو سکتے ہیں اور اپنے بچوں اور آنے والی نسلوں کی تربیت کر سکتے ہیں کہ اس کا رجحان اور نقطہ نظر ہم سے مختلف اور ایک دوسرے اچھی طرح واقفیت کا ہو۔ ہم کو اعتماد، ایک دوسرے کی عزت اور بردباری سے کام لینا ہے تا کہ ہم مشترکہ میدان عمل تلاش کر کے مل جل کر کام کرسکیں۔ ہم گزشتہ زمانے کے علاقائی اور سیاسی تنازعات کو پھر سے زندہ کرنے کی سکت نہیں رکھتے۔ ہمیں ایک دوسرے کے تجربات سے مستفید ہونا ہے۔ ایک دوسرے کو سمجھنا اور تحمل سے کام لینا ہے اور ان مثبت بنیادوں کو جو ہم دونوں کی تہذیبوں میں مشترک ہیں، مضبوط کرنا ہے۔ یہ لین دین دوطرفہ ہونا چاہیے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اتفاق وارتباط اور اس کے ساتھ غور وخوض یعنی ''تدبر'' سے کام لینا ہے تا کہ ہمارے ذہن کشادہ ہو جائیں اور دلوں پر لگے ہوئے قفل ایک دوسرے کے لیے کھل جائیں۔ مجھے یقین کامل ہے کہ اسلامی اور مغربی دنیا کو ایک دوسرے سے بہت کچھ سیکھنا ہے اگر خلیج میں آئل انجینئر یورپین ہوسکتا ہے تو اسی طرح برطانیہ میں قلب کی جراحی کا کام کوئی مصری بھی کرسکتا ہے۔

☆☆☆